

مناسک حج کی حکمتیں

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ہر عبادت کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن۔ ظاہر سے مراد وہ عملی شکل ہے جو کسی عبادت کو ادا کرنے کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ اور باطن سے مراد وہ معنی ہیں جو اس عملی شکل میں مُضمّن ہوتے ہیں اور جن کے اظہار کی خاطر عمل کی وہ شکل مقرر کی جاتی ہے۔

ایسا ہی معاملہ حج کا ہے۔ اس کو ادا کرنے کا جو طریقہ مقرر کیا گیا ہے اس پر آپ خواہ سمجھ کر عمل کریں یا بے سمجھے بوجھے، بہر حال جب آپ شارع کے مقرر کردہ مناسک ادا کریں گے تو حج ادا ہو جائے گا، اور فرض سے یقیناً ”آپ سبکدوش ہو جائیں گے۔ لیکن حج کی اس ظاہری شکل کے ہر ہر جز میں جو معنی پوشیدہ ہیں ان کو بھی اگر آپ اچھی طرح سمجھ لیں اور حج کے اعمال انجام دیتے وقت ہر عمل کی غرض و غایت کی طرف بھی متوجہ ہوں، تو اس سے مقصد حج کی تکمیل ہو جائے گی اور آپ حج کے فوائد سے پوری طرح متمتع ہوں گے۔ اسی غرض کے لیے آج میں آپ کے سامنے حج کے اعمال میں سے ایک ایک عمل کے معنی سیدھے سادھے اور مختصر طریقے سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔

احرام

اعمال حج میں سب سے پہلا عمل احرام ہے۔ باہر سے آنے والا کوئی حاجی میقات سے اس وقت تک نہیں گزر سکتا جب تک وہ اپنا لباس اتار کر احرام نہ باندھ لے، اور اسی طرح مکہ معظمہ سے حج کی نیت کرنے والے کو بھی سب سے پہلے لباس تبدیل کر کے احرام باندھنا ہوتا ہے۔ یہ ایک انتہائی فقیرانہ لباس ہے جس میں آدمی بس ایک تہہ باندھ لیتا ہے، ایک چادر کندھوں پر ڈال لیتا ہے، اور سر ننگا رکھتا ہے۔ یہ اس عمل کی ظاہری صورت ہے۔ مگر غور سے دیکھیے کہ اس ذرا سے فعل میں کتنے گہرے معنی پوشیدہ ہیں۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ حج شروع کرنے سے پہلے ہمارے وہ سارے لفافے اتروا دینا چاہتا ہے جو ہم نے اپنے اوپر ڈال رکھے ہیں جن کے اندر ہم میں سے ہر ایک نے اپنے آپ کو اپنی اصل حقیقت سے کچھ نہ کچھ زائد بنا رکھا ہے۔ وہ کتا ہے کہ تم بندے ہو اور بندے سے بڑھ کر کچھ نہیں ہو۔ لہذا میرے دربار میں حاضر ہونا چاہتے ہو تو صرف بندے بن کر آؤ۔ تم کہیں کے بادشاہ یا صدر مملکت ہو تو ہوا کرو۔ کوئی جنرل ہو، وزیر ہو، رئیس ہو، یا جو کچھ بھی ہو، ہوتے رہو۔ میرے حضور میں تمہیں اپنی یہ ساری حیثیتیں ختم کر کے صرف ایک بندے کی حیثیت سے آنا ہو گا۔ اس طرح احرام کا یہ لباس ہر انسان کو بندگی کے مقام پر لا کر کھڑا کر دیتا ہے، اس کی ہر شان امتیاز مٹا دیتا ہے، اور ایک بڑے سے بڑے شخص کو بھی ایک ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی سطح پر لے آتا ہے۔ آپ حالت احرام میں حاجیوں کے کسی مجمع پر نگاہ ڈال کر دیکھیں تو آپ کو کسی طرح یہ معلوم نہ ہو سکے گا کہ ان میں کون اونچا اور کون نیچا ہے، کون امیر اور کون غریب ہے، کون حاکم اور کون محکوم ہے۔ اللہ کے دربار میں سب ایک ہی طرح کے فقیر نظر آئیں گے۔

اونچ نیچ برابر کرنے کے ساتھ یہ احرام مسلمانوں کے درمیان تمام قومی، نسلی اور وطنی امتیازات بھی ختم کر دیتا ہے۔ اسلام کے ماننے والے دنیا کے ہر حصے سے چل کر آتے ہیں۔ مشرق، مغرب، شمال، جنوب، ہر طرف سے ملک ملک کے لوگ طرح طرح کے لباس پہنے ہوئے اپنے گھروں سے چلتے ہیں۔ مگر جو نبی کہ وہ مرکز اسلام سے ایک خاص فاصلے پر پہنچتے ہیں، ان کو یکایک میقات کی سرحد پر روک کر ان کے تمام قومی لباس اتروا دیئے جاتے ہیں اور سب کو ایک ہی طرح کا لباس پہنا دیا جاتا ہے تاکہ خداوند عالم کے دربار میں جب وہ حاضر ہوں تو انسان اور مسلمان کے سوا اور کچھ نہ ہوں۔ مسلمانوں کے اندر ملت واحدہ ہونے کا احساس پیدا کرنے کی اس سے زیادہ کارگر تدبیر شاید ہی کوئی دوسری ہو سکے۔ آپ کے سامنے لاکھوں حاجیوں کا ایک سیل رواں ہوتا ہے جس میں سینکڑوں قومیتوں کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ گزر رہے ہوتے ہیں۔ مگر یہ احرام کی برکت ہے کہ ہر دیکھنے والی نگاہ ان کو ایک ملت اور ایک ہی قوم کی حیثیت سے دیکھتی ہے، اور ان کے سارے وطنی و نسلی امتیازات دب کر رہ جاتے ہیں۔

پھر یہ احرام آدمی کو حیوانیت سے دور اور ملائکہ کے مقام سے قریب کر دیتا ہے۔ اس حالت میں وہ کوئی جوں تک نہیں مار سکتا۔ کوئی بال تک نہیں اکھاڑ سکتا۔ کسی جانور کا شکار خود کرنا تو درکنار دوسرے کو کسی قسم کی مدد بھی شکار میں نہیں دے سکتا۔ اپنے جسم کی زینت و آرائش بھی اس کے لیے جائز

نہیں رہتی۔ اس کی اپنی بیوی بھی اس کے لیے حرام ہو جاتی ہے جو عام حالات میں اس کے لیے حلال ہے، حتیٰ کہ وہ اس کی طرف کسی شہوانی میلان تک کا اظہار نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے فحش گوئی، بدکلامی، لڑائی جھگڑا، سب کچھ ممنوع ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے خادم کو بھی ڈانٹنے کا مجاز نہیں رہتا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ احرام باندھتے ہی وہ اللہ کا فقیر بن گیا، اور اس نے تمام خواہشاتِ نفس کو تیاگ دیا۔ اب دنیا کی ہر چیز کو اس کی طرف سے امن و سلامتی کا پیغام ہے۔ اب کسی کو اس سے ضرر کا اندیشہ نہیں۔ اب وہ کسی کے لیے بھی جبار و قہار اور ظالم نہیں رہا۔ اب وہ دنیا کی لذتوں سے کنارہ کش ہونے اور کبریائی کا ہر شائبہ اپنے نفس سے نکال دینے کے بعد بس ایک بندہ عاجز ہے جو اپنے خدا کے حضور اپنی نیازمندی پیش کرنے کے لیے جا رہا ہے۔

حضرات! یہ ہے احرام کی اصل روح۔ آپ جب غسل کرنے یا وضو کر کے احرام باندھتے ہیں اور ان قواعد کی پابندی کرتے ہیں جو حالت احرام کے لیے مقرر کیے گئے ہیں، تو اس سے عمل کی صرف ظاہری شکل قائم ہوتی ہے۔ یہ شکل بناتے ہوئے اگر آپ کا ذہن اس تصور سے خالی ہو کہ یہ شکل آپ نے کیوں بنائی ہے تو یہ گویا ایک جسم ہو گا جس میں جان نہ ہو۔ جان اس میں اسی وقت پڑے گی جب آپ پورے شعور اور ارادے کے ساتھ اپنے اندر وہ باطنی کیفیات بھی پیدا کر لیں جو درحقیقت احرام سے مقصود ہیں۔ قانون کی نگاہ میں تو ہر شخص محرم ہے جس نے احرام کی پابندیوں میں سے کسی کو نہ توڑا ہو۔ مگر خدا کی نگاہ میں اصل محرم وہی ہے جو احرام باندھتے ہی فی الواقع ایک فقیر اور ایک بندہ عاجز بن کر رہ گیا ہو، جس نے اپنے دماغ سے کبریائی کی ہوا نکال دی ہو، جس نے قومی و نسلی تعصبات کو بھی اپنے ذہن سے نکال باہر کیا ہو، جو خلقِ خدا کے لیے سراپا رحم اور خیر مجسم بن گیا ہو، اور جس نے حیاتِ دنیا کی زہنتوں سے منہ موڑ کر کم از کم یہ چند دن تو صرف اپنے رب سے لو لگانے کے لیے خاص کر لیے ہوں۔

تلبیہ

احرام باندھنے کی بعد آپ تلبیہ شروع کر دیتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں:

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ۔

”میں حاضر ہوں، میرے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، یقیناً ساری تعریف تیرے ہی لیے ہے، سارے احسانات تیرے ہی ہیں“

بادشاہی سراسر تیری ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔“

ان الفاظ پر غور کیجیے۔ ان کے اندر خود یہ معنی پوشیدہ ہیں کہ غلام کو اس کے آقا نے طلب کیا ہے، اور غلام اس کے جواب میں لبیک لبیک کہتا ہوا، اور اپنے مالک کی تعریف کے گن گاتا ہوا دوڑا چلا جا رہا ہے۔ بیت اللہ کی طرف طلبی ہوئی، اس نے عرض کیا میں حاضر۔ عرفات بلایا گیا، اس نے کہا میں حاضر۔ مزولفہ طلب کیا گیا، اس نے کہا میں حاضر۔ منیٰ طلب کیا گیا، اس نے کہا میں حاضر۔ اس ساری دوڑ دھوپ کے دوران میں یہ الفاظ آپ زبان سے کہتے رہیں تو قانون کا تقاضا پورا ہو جائے گا۔ مگر اس تشبیہ کی اصل روح یہ ہے کہ ان الفاظ کو زبان سے ادا کرتے ہوئے اپنے دل کی گہرائیوں میں فی الواقع آپ یہ محسوس کریں کہ آپ اللہ کے بندے اور غلام ہیں، اس کی طرف سے آپ کی طلبی ہوئی ہے، اور جہاں جہاں حاضر ہونے کی طلبی ہوتی جا رہی ہے وہاں آپ لبیک لبیک کہتے ہوئے دوڑے چلے جا رہے ہیں، اس لبیک میں ایک نشہ ہے جو لازماً ”ہر بندہ حق پر طاری ہو جائے گا جسے یہ احساس ہو کہ خداوند عالم کی طرف سے اس جیسی ناچیز ہستی کی طلبی ہو رہی ہے۔“

یہ نصیب؟ اللہ اکبر، لوٹنے کی جائے ہے

حرم کی حاضری

باہر سے آنے والے ہر حاجی کی فطری خواہش یہ ہوتی ہے، اور یہی اس کو کرنا بھی چاہیے کہ مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد جلدی سے جلدی حرم میں حاضر ہو۔ پھر جب وہ حرم میں داخل ہوتا ہے اور بیت اللہ پر اس کی نظر پڑتی ہے تو اس کے دل پر ایک ہیبت طاری ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے جلال کا کرشمہ ہے، اور اس کا دل بے اختیار خانہ کعبہ کی طرف کھینچتا ہے جو اللہ جل شانہ کی محبت کا فطری تقاضا ہے۔ اس موقع پر اسے دل اور زبان سے اللہ اکبر، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ کہنا چاہیے اور پورے شعور کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرنی چاہیے:

اللَّهُمَّ زِدْهُنَا الْبَيْتَ تَعْظِيمًا وَتَشْرِيفًا وَتَكْرِيمًا وَمَهَابَةً وَبِرًا

”خدا یا، اس گھر کو زیادہ سے زیادہ عظمت و شرف اور بزرگی اور دبدبہ عطا فرما، اور اسے

زیادہ سے زیادہ نیکیوں کا مرکز بنا دے۔“

اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ، وَمِنْكَ السَّلَامُ، فَعِينَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ

”خدا یا تو خود ہر عیب و نقص سے پاک ہے، اور عیوب و آفات سے سلامتی جس کو بھی

نصیب ہوتی ہے تیری ہی طرف سے نصیب ہوتی ہے، لہذا اے پروردگار، ہمیں جسم و روح کی سلامتی کے ساتھ جینے کی توفیق عطا فرما۔“

ضروری نہیں ہے کہ یہ دعائیں آپ عربی زبان ہی میں مانگیں۔ اصل چیز ان الفاظ کو زبان سے ادا کرنا نہیں ہے، بلکہ اس مضمون کی دعا اللہ سے مانگنا ہے جو ان فقروں میں بیان کیا گیا ہے۔ آپ کو عربی الفاظ یاد کرنے اور پڑھنے میں دقت ہو تو آپ اسی مضمون کی دعا اپنی زبان میں بھی مانگ سکتے ہیں۔

طواف

حرم میں پہنچنے کے بعد ہر حاجی کو طواف کرنا ہوتا ہے۔ اگر احرام باندھتے وقت اس نے تمتع یا قرآن کی نیت کی ہو تو وہ عمرے کا طواف کرتا ہے، قرآن تمتع یہ ہے کہ آدمی عمرہ کر کے احرام کھول لے اور پھر حج کا وقت آنے پر نئے سرے سے احرام باندھے۔ اور قرآن یہ ہے کہ آدمی ایک ہی احرام میں عمرہ اور حج دونوں کرے۔ اور اگر افراد (یعنی صرف حج) کی نیت کی ہو تو طوافِ قدم کرتا ہے، پھر یوم النحر کو اسے طوافِ افاضہ اور مکہ چھوڑتے وقت طوافِ وداع بھی کرنا ہوتا ہے۔ اور ان ضروری طوافوں کے علاوہ بھی ایک ایسی نفلی عبادت ہے جس کا موقع باہر سے آنے والوں کو صرف زمانہ قیام مکہ ہی میں نصیب ہو سکتا ہے، اس لیے اس موقع سے جتنا بھی فائدہ اٹھایا جاسکے اٹھانا چاہیے۔

یہ طواف کیا ہے؟ یہ انسان کے اس فطری جذبے کا اظہار ہے کہ جس ہستی کو وہ اپنا منعم و محسن سمجھتا ہے اور اپنا معبود مانتا ہے اس پر اپنے آپ کو فدا کرے، اس کے گرد گھومے اور صدقے اور قربان ہو۔ اللہ تعالیٰ بذات خود اس سے بالاتر ہے کہ ہم اسے پاسکیں اور اس کے گرد گھوم سکیں۔ اس نے ہمارے اس جذبے کی تسکین کے لیے اس خانہ کعبہ کو اپنا گھر قرار دیا ہے، اور ہمیں ہدایت کی ہے کہ مجھ پر فدا ہونے کی جو خواہش تمہارے دل میں ہے اسے میرے اس گھر کا طواف کر کے پورا کر لو۔ پس جب آپ اس گھر کا طواف کریں تو عشق کے جذبے سے سرشار ہو کر اس طرح طواف کیجئے جیسے ایک عاشق اپنے محبوب حقیقی کے صدقے ہو رہا ہے۔

ہر طواف کی ابتدا حجرِ اسود کے بوسے یا استلام سے ہوتی ہے۔ یہ درحقیقت ایک پتھر کا بوسہ نہیں ہے بلکہ محبوب کے سنگِ آستان کا بوسہ ہے۔

اسی طرح طواف اور مقام ابراہیمؑ کی دو رکعتوں سے فارغ ہونے کے بعد ملتزم سے چمٹ کر جو دعائیں مانگی جاتی ہیں وہ بھی یہی سمجھتے ہو۔ مانگنا چاہیں کہ یہ ہمارے مالک کے گھر کی چوکھٹ

ہے۔ مالک خود تو اس سے بالا تر ہے کہ ہم اس کا دامن تھام سکیں۔ ہماری نارسائی پر ترس کھا کر اس نے یہ گھر ہمارے لیے بنا دیا ہے تاکہ اس کے دامن سے لپٹ کر اپنی آرزوئیں پیش کرنے کی جو تمنا ہمارے دل میں ہے اسے ہم اس کے گھر کی چوکھٹ سے لپٹ کر پورا کر لیں۔

طواف کے دوران میں پڑھنے کے لیے جو لمبی دعائیں بعض لوگوں نے لکھی ہیں، ان کا یاد کرنا اور پڑھنا کچھ ضروری نہیں ہے۔ اور یہ طریقہ تو بالکل ہی فضول ہے کہ ایک معلم آگے آگے پڑھتا جا رہا ہے اور حاجیوں کی ایک ٹولی کی ٹولی اس کی غلط نقل اتارتی جا رہی ہے۔ طواف کے لیے ان دعاؤں کو شریعت نے ہرگز لازم نہیں کیا ہے، اور نہ اس بے معنی طریقے سے ان کو ادا کرنے کا کوئی فائدہ ہے۔ بس یہ کافی ہے کہ آپ طواف شروع کرتے وقت حجرِ اسود کے سامنے کھڑے ہو کر نماز کی طرح ہاتھ اٹھائیں اور بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ کہہ کر طواف شروع کر دیں، پھر دوران طواف میں اللہ کا ذکر کرتے چلے جائیں اور اس سے دعا مانگتے جائیں۔ ذکر کے لیے مَبْحَانِ اللّٰهُ، الْحَمْدُ لِلّٰهِ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اللّٰهُ اَكْبَرُ کے الفاظ کافی ہیں۔ کسی اور چیز کی حاجت نہیں۔ دعا جو کچھ بھی آپ کے دل سے نکلے اور جس زبان میں بھی آپ مانگ سکیں، مانگتے رہیں۔

حجرِ اسود کا بوسہ دینے کے لیے جو ہجوم اور دھکا پیل لوگ کرتے ہیں یہ ایک ناروا فعل ہے، بلکہ اس میں ایک دوسرے کی جو سخت مزاحمت کی جاتی ہے وہ توج کو ضائع کرنے والی حرکت ہے۔ خصوصاً عورتوں کا دھکا پیل میں گھسنا تو بالکل ہی ناجائز ہے۔ شریعت نے آپ پر لازم نہیں کیا ہے کہ آپ ضرور حجرِ اسود کو بوسہ ہی دیں۔ یہ کام اگر مزاحمت کے بغیر نہ ہو سکتا ہو تو ہر چکر کے خاتمہ پر حجرِ اسود کے سامنے پہنچ کر اس کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرنا اور اپنے ہاتھ ہی کو چوم لینا شرعاً بالکل کافی ہے۔

جس طواف کے بعد سعی کرنی ہو اس میں اِضْطِبَاعٌ اور رَمَلٌ بھی کیا جاتا ہے۔ اِضْطِبَاعٌ یہ ہے کہ احرام کی چادر کو سیدھے ہاتھ کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لیا جائے اور دایاں شانہ کھلا رکھا جائے۔ اور رَمَلٌ یہ ہے کہ پہلے تین طواف شانہ ہلا ہلا کر چھوٹے چھوٹے قدم ڈالتے ہوئے ذرا تیزی کے ساتھ کیے جائیں۔ یہ دراصل اس واقعے کی یادگار ہے کہ صلح حدیبیہ کی قرار داد کے مطابق جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے مکہ معظمہ تشریف لائے تھے تو کفارِ مکہ نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ مدینے کی آب و ہوا نے مسلمانوں کو کمزور کر دیا ہے۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ پہلے تین طوافوں میں اِضْطِبَاعٌ اور رَمَلٌ کریں تا کہ کفار کے سامنے اہل اسلام کی طاقت کا مظاہرہ ہو۔ اسی یادگار کو آج تک باقی رکھا گیا ہے۔ اس

حکمت مودودیؒ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ بندے کا اکڑ کر چلنا ویسے تو اللہ کو سخت ناپسند ہے، مگر جب اس کے دشمنوں کے سامنے اسلام کی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لیے یہ چال اختیار کی جائے تو پھر یہی چال اللہ کو محبوب ہو جاتی ہے۔

مقامِ ابراہیم

طواف سے فارغ ہونے کے بعد آپ مقامِ ابراہیمؑ پر پہنچتے ہیں اور وہاں دو رکعت نماز ادا کرتے ہیں۔ اس مقام پر جو پتھر رکھا ہے وہی پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی دیواریں اٹھائی تھیں۔ پھر اس پر کھڑے ہو کر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس ویران و سنسان مقام پر تمام غلق کو حج کے لیے پکارا تھا اور اسی پکار کے جواب میں آپ لبیک لبیک کہتے ہوئے آج یہاں آئے ہیں۔ پہلے یہ پتھر خانہ کعبہ کی دیوار سے متصل رکھا ہوا تھا۔ بعد میں موجودہ مقام پر رکھ دیا گیا۔ اس مقام کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اسے نماز کی جگہ بنا لو **وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّیٰ**۔ طواف کعبہ کے بعد یہ دو رکعتیں اسی فرمانِ خداوندی کی تعمیل میں پڑھی جاتی ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی آپ کے علم میں رہنی چاہیے کہ تمام دنیا کے لیے قبلہ مسجدِ حرام ہے، اور مسجدِ حرام میں نماز پڑھنے والوں کے لیے قبلہ خانہ کعبہ ہے، اور مسجدِ حرام کی نماز باجماعت کے لیے امام کا قبلہ وہ مقام ہے جہاں سے حضرت ابراہیمؑ نے دنیا کو حج کے لیے پکارا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ خود بھی اسی مقام پر کھڑے ہو کر کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، اور آج بھی حرم کی نماز باجماعت کا امام اسی جگہ کھڑا ہوتا ہے۔

سعی بین الصفا والمروہ

مقامِ ابراہیمؑ پر دو رکعت نماز ادا کرنے اور ملتزمؑ پر دعا کرنے کے بعد آپ زمزم پر آتے ہیں اور اس کا پانی پیتے ہیں۔ پھر عمرے کی تکمیل کے لیے صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ سعی کرتے ہیں۔ یہ سب کام آپ غفلت و بے خبری کے ساتھ نہ کریں، بلکہ اپنے دل میں سوچیں کہ یہ زمزم کیا جگہ ہے جہاں آپ کھڑے ہیں، یہ پانی کیا ہے جسے آپ پی رہے ہیں، یہ صفا کیسی پہاڑی ہے جس سے آپ سعی کی ابتدا کرتے ہیں، اور یہ سات چکر کیسے ہیں جو آپ صفا اور مروہ کے درمیان لگاتے ہیں۔

حضرات! ان میں سے ہر مقام اپنی ایک تاریخ رکھتا ہے، اور اس تاریخ کے اندر ایک درسِ عبرت ہے۔ آج بیت اللہ اور زمزم اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام جس جگہ واقع ہیں، یہی وہ

جگہ ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ اپنی بیوی حضرت ہاجرہؑ اور اپنے شیرخوار بچے حضرت اسماعیلؑ کو صرف ایک مشکیزہ پانی اور تھیلیا کھجوروں کا دے کر بالکل یکہ و تنہا چھوڑ گئے تھے۔ یہاں کوئی پانی نہ تھا۔ کوئی غذا کا سامان نہ تھا۔ دور دور کوئی بہتی نہ تھی۔ اور بظاہر یہ دونوں ماں بچے اس سنسان وادی میں قطعی بے سارا تھے۔ حضرت ابراہیمؑ جب انہیں چھوڑ کر واپس جانے لگے تو حضرت ہاجرہؑ ان کے پیچھے چلیں۔ بار بار پوچھتی تھیں کہ آپ ہمیں کہاں چھوڑے جا رہے ہیں، مگر وہ خاموش چلے جا رہے تھے۔ آخر حضرت ہاجرہؑ نے پوچھا ”کیا یہ کام آپ اللہ کے حکم سے کر رہے ہیں؟“ انہوں نے فرمایا ہاں۔ اس پر حضرت ہاجرہؑ نے کہا، ”اگر یہ بات ہے تو اللہ یقیناً“ ہمیں ضائع نہیں ہونے دے گا۔ پھر وہ پورے اطمینان کے ساتھ اللہ کے بھروسے پر اپنے بچے کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔ حضرت ابراہیمؑ جب اس وادی سے نکلنے لگے تو پلٹ کر انہوں نے وادی کی طرف رخ کیا اور اللہ سے دعا مانگی کہ:

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ الْمُحْرَمِ، رَبَّنَا لِيُقِيمُوا
الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْتِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ
يَشْكُرُونَ (ابراہیم ۱۳-۱۷)

”اے پروردگار! میں نے اپنی نسل کا ایک حصہ ایک بے آب و گیاه وادی میں تیرے محترم گھر کے قریب لاسایا ہے۔ اے پروردگار، یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ یہ یہاں نماز قائم کریں۔ پس تو ایسا کر کہ لوگوں کے دل ان کی طرف گھس، اور ان کو پھلوں سے رزق دے تاکہ یہ شکر گزار ہوں۔“

دیکھیے، کیا شانِ تسلیم و رضا اور کیا شانِ توکل علی اللہ تھی اس شوہر اور باپ کی جس نے اللہ رب العالمین کا اشارہ پاتے ہی اپنی بیوی بچے کو ٹھنڈے دل سے اس بے آب و گیاه وادی میں لا کر چھوڑ دیا۔ اور کس درجے کا یقین و اعتماد اپنے خدا پر تھا اس خاتون کو جو یہ معلوم ہو جانے کے بعد بالکل مطمئن ہو گئی کہ اسے اور اس کے ننھے بچے کو اللہ کے حکم سے یہاں یکہ و تنہا چھوڑا جا رہا ہے۔

جب پانی اور کھجوروں کا ذخیرہ ختم ہو گیا اور دونوں ماں بچے بھوک پیاس سے تڑپنے لگے، تو حضرت ہاجرہؑ اسی زمزم کے مقام پر بچے کو لٹا کر صفا کی پہاڑی پر پہنچیں، تاکہ چاروں طرف نگاہ ڈال کر دیکھیں کہ کہیں کوئی مدد کرنے والا ہے؟ پھر صفا سے اتر کر مروہ کی طرف دوڑیں، اور اس پر چڑھ کر پھر انہوں نے چاروں طرف دیکھا کہ شاید کوئی مدد کرنے والا نظر آئے۔ اس طرح ان

مَا أَوْلَانَا، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يَحْيَى وَيَمُتُ بِيَدِهِ
الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، أَنْجَزَ وَعَدَهُ
وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَخَلَفَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ مُخْلِصِينَ لَهُ
الْدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔

اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے اور اس کے لیے
ساری تعریف ہے۔ ہم اللہ کی بڑائی کرتے ہیں اس شکر میں کہ اس نے ہمیں ہدایت
بخشی اور اس کی تعریف کرتے ہیں ان احسانات پر جو اس نے ہم پر کیے ہیں۔ اللہ وحدہ
'لا شریک کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے حمد ہے، وہی
جلاتا اور مارتا ہے، اسی کے اختیار میں بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ کوئی
معبود اکیلے اللہ کے سوا نہیں ہے، کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔
اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کی اور سارے جتھوں کو اسی اکیلے نے
شکست دے دی۔ کوئی معبود اللہ کے سوا نہیں، ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں اپنے دین کو
اس کے لیے خالص کر کے، خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔

یہی کچھ آپ مرؤہ پر بھی کہیں، اور صفا و مرؤہ کے درمیان چلتے ہوئے دعا کرتے جائیں کہ:

رَبِّ اغْفِرْ وَرَحْمَةً وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعَزُّ الْأَكْرَمُ۔

اے رب، بخش دے اور رحم کر، ہمارے ان سارے قصوروں سے درگزر فرما جو
تیرے علم میں ہیں، تو سب پر غالب اور بڑا کریم ہے۔

حج

آٹھویں ذی الحجہ کی صبح کو تمام حاجی مکہ معظمہ سے حج کے لیے نکلتے ہیں، اور جن لوگوں
نے تمتع کرتے ہوئے عمرے کے بعد احرام کھول لیا تھا وہ بھی نئے سرے سے احرام باندھے لیتے
ہیں۔ اب اصل حج شروع ہوتا ہے۔ یہ لاکھوں احرام بند حاجی بیک وقت مکہ سے چل کر لبیک
لبیک کہتے ہوئے ۸/ ذی الحجہ کو منیٰ جاترے ہیں۔ پھر یہی مجمع عظیم ۹/ ذی الحجہ کی صبح کو یک وقت
لبیک لبیک کہتا ہوا چلتا ہے اور حدود حرم سے باہر جا کر عرفات کے میدان میں پڑاؤ ڈال دیتا ہے۔
پھر اسی روز شام کو یہ پورا مجمع اٹھتا ہے اور لبیک لبیک پکارتا ہوا مرؤفہ اترتا ہے۔ پھر ذی الحجہ کو
طلوع آفتاب سے پہلے پہلے حاجیوں کا یہ سیلاب لبیک کہتا ہوا اٹھتا ہے اور منیٰ واپس پہنچ جاتا ہے۔ پھر یہ
سب لوگ لبیک کہتے ہوئے جمرہ عقبہ کی طرف چلتے ہیں اور اس پر سات کنکریاں مارتے ہیں۔ پھر یہ

لوگ منی میں قربانی کرتے ہیں۔ پھر سب سر کے بل منڈواتے یا ترشواتے ہیں۔ پھر جوق در جوق مکہ معظمہ پہنچ کر طواف اور سعی کرتے ہیں۔ پھر منی واپس ہو کر دو دن یا تین دن قیام کرتے ہیں اور ان ایام میں ہر روز تینوں جمروں پر رمی کرتے ہیں۔ یہی اعمال ہیں جن کا نام حج ہے۔ (۱۰)

جو لوگ عبادت کے معنی اور حج کی حقیقت کو نہیں سمجھتے وہ حیران ہو کر سوچنے لگتے ہیں کہ آخر یہ کیسی دوڑ دھوپ ہے جس کے لیے دنیا بھر سے کھینچ کر لاکھوں آدمیوں کو بلایا جاتا ہے؟ اور یہ کیا عبادت ہوئی کہ مکہ سے اٹھے اور منی پہنچ گئے، وہاں سے اٹھے اور عرفات جا ٹھیرے، پھر چلے اور مزدلفہ میں رات گزار دی، پھر منی پہنچے اور وہاں ایک پتھر کو کنکریاں مار دیں؟ لیکن ذرا سمجھنے کی کوشش کریں تو آپ پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ اس ساری دوڑ دھوپ میں جو زحمت آدمی کو پیش آتی ہے، جو تکلیفیں اس کو اٹھانی پڑتی ہیں، جس مشقت اور بے آرامی سے اس کو سابقہ درپیش ہوتا ہے، جس طرح وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ بے ٹھکانے ہوتا چلا جاتا ہے، اللہ کی راہ میں یہی سب کچھ برداشت کرنا تو اصل عبادت ہے۔ عمرے میں طواف و سعی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا، کیونکہ وہ فردا فردا کیا جاتا ہے۔ ایک فرد کے لیے ایک دن عرفات جا ٹھیرنا، ایک رات مزدلفہ میں گزار دینا اور دو چار روز منی میں ٹھیر جانا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اس لیے عمرہ کرنے والے کو ان کاموں میں سے کوئی کام بھی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ لیکن حج میں لاکھوں آدمیوں کو بیک وقت یہ دوڑ دھوپ کرنی ہوتی ہے جس میں کوئی بڑے سے بڑا صاحب ثروت آدمی بھی زحمتیں اٹھائے اور آسائشوں سے محروم ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حج کی اجتماعی عبادت میں طواف و سعی سے زائد یہ مناسک رکھے گئے ہیں۔ اس سے مقصود ہر بندہ مومن میں یہ کیفیت پیدا کرنا ہے کہ وہ اللہ کی رضا کے لیے ہر آسائش سے دستکش ہونے اور اس کی راہ میں ہر زحمت اٹھانے کے لیے تیار ہو جائے۔ یہی اللہ پر ایمان لانے کا تقاضا ہے۔ یہی بندگی کے معنی ہیں۔ اور یہی اس عبادت کی روح ہے۔ اس عبادت کے دوران میں جو شخص ان ساری تکلیفوں کو پورے اطمینان اور قلب و روح کی پوری مسرت کے ساتھ قبول کرتا ہے، اور اپنے ساتھ کے حاجیوں کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں کرتا، بلکہ سخت کشمکش کے مواقع پر بھی صبر و ضبط سے کام لیتا ہے اور خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو آرام پہنچاتا ہے، وہ حج کا ثواب لوٹ لیتا ہے۔ اور اس کے برعکس جو شخص اپنی ہر بے آرامی پر چین بہ جبین ہوتا ہے، ہر زحمت پر کبیدہ خاطر ہوتا ہے، اور ساتھ کے حاجیوں سے اپنے آرام کی خاطر مزاحمت کرتا اور لڑتا جھگڑتا ہے، وہ حج کے ثواب کو ضائع کر دیتا ہے۔ اس بے چارے کے حصے میں خالص مشقت ہی رہ جاتی ہے، اجر ہوا میں اڑ جاتا ہے۔

یہ بات بھی ملحوظ رکھیے کہ حج کے ان اعمال کو ادا کرتے وقت آپ خواہ کچھ بھی نہ پڑھیں، اور وقت پر نماز ادا کر دینے کے سوا کوئی دوسرا عمل نہ کریں، تب بھی حج پورا ہو جائے گا اور بجائے خود حج کا جو ثواب ہے وہ آپ کو مل جائے گا۔ مگر بد قسمت ہے وہ شخص جسے اللہ سے تقرب حاصل کرنے کا یہ نادر موقع نفیب ہو اور وہ زیادہ سے زیادہ قرب حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے۔ مکہ معظمہ سے نکلنے کے بعد یوم النحر کی پہلی رمی تک بہترین ذکر یہ ہے کہ آدمی زیادہ سے زیادہ لبیک لبیک کہے اور اس شعور کے ساتھ کہ میرا مولیٰ اب منیٰ بلا رہا ہے تو میں حاضر ہوں، اب عرفات بلا رہا ہے تو اس کے لیے بھی حاضر ہوں، اب مزدلفہ بلا رہا ہے تو اس کے لیے بھی حاضر، اور اب رمی کے لیے منیٰ طلب کر رہا ہے تو اس کے لیے بھی حاضر۔ ہر مرتبہ لبیک کہتے ہوئے آپ محسوس کریں کہ رب العالمین کی طرف سے آپ کی طلبی ہو رہی ہے اور آپ اس کے جواب میں کہہ رہے ہیں کہ میں حاضر ہوں۔ اس احساس کے ساتھ جب آپ بار بار لبیک کہیں گے تو انشاء اللہ آپ کے دل میں ذوق و شوق کی وہ کیفیت پیدا ہوگی اور وہ روح اس کے اندر وہ لذت پائے گی جس کے مقابلے میں ہر لذت بیچ ہو جائے گی۔

تلبیہ کے علاوہ بیچ بیچ میں کثرت سے اللہ کی حمد اور تکبیر و تہلیل کرتے جائیے۔ کثرت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیے۔ کثرت سے اپنے حق میں، اپنے والدین کے حق میں، اور سب مومنین و مومنات کے حق میں دعائے مغفرت بھیجیے۔ اور خاص طور پر وقوف عرفہ کے آخری وقت میں، اور قیام مزدلفہ کی رات میں، تو اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اللہ کے ذکر اور دعا و استغفار میں صرف کر دیجئے۔ پھر ایام تشریق میں منیٰ کے قیام کا زمانہ فضول مشاغل میں نہ ضائع کیجیے، بلکہ اسے خیر اور صلاح کی تبلیغ میں، دنیا بھر سے آئے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ روابط پیدا کرنے میں، اور اعلائے کلمۃ الحق کی فکر و سعی میں صرف کیجیے تاکہ حج کے روحانی و اخلاقی فوائد کا کوئی پہلو آپ سے چھوٹنے نہ پائے۔